عقائد واعمال

تحریر : جناب محمود مرزا جہلمی چیف ایڈیٹر ہفت روزہ صدائے مسلم جہلم

کلمہ اسلام، عقائد واعمال کی بنیاد ہے۔کلمۂ اسلام کے دو حصے ہیں۔ایک توحید، دوسرا رسالت۔ توحید عقیدہ ہے رسالت اعمال ہے۔عقیدہ توحید کی ضد شرک ہے۔شرک کرنے والا وجود باری تعالیٰ کو مانتا ہے مگر اس کی ذات، صفات، اختیارات اور عبادات میں، اس کے برگزیدہ بندوں کو شامل کر لیتا ہے۔ جاہلی عرب جن بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ان میں سے کچھ تو محض خیالی تھے جن کے انھوں نے نام رکھ لئے ہوتے تھے۔یہی فعل بد یہود و نصاریٰ نے کیا کہ جن انبیاء نے انھیں درسِ توحید دیا اور وجود باری تعالیٰ سے آشنا کیا، انھی کو اللہ کا بیٹا یا رب بنالیا۔قرآن مجید میں مذکور ہے کہ بہت سے لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔اور وہ مشرک بھی نہیں، ہندو پرماتما کا وجود مانتے ہیں مگر کرشن جی مہاراج کو زمین پر اس کا اوتار (وجود ثانی) کہتے ہیں۔ وجود باری پر ایمان رکھنا ہی اس بات کی کافی دلیل نہیں ہے کہ بندہ مسلمان ہوگیا ہے کیوں کہ اگر یہی کافی ہوتا تو پھر مشرک ہونا جرم نہ ہوتا۔

مسلمان کا وجود باری تعالیٰ پر ایمان یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کی ذات صفات، اختیارات اور عبادات میں کسی دوسری ہستی کو شامل نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ اپنے مقابلے میں انبیاء کرام سمیت اپنی ساری مخلوق کو ''دون اللہ'' کہتا ہے۔الٰہین کا تصور (ثنویت) قدیم ایرانی مذہب زرتشت میں پایا جاتا تھا جو ''یزدان'' اور ''اہرمن'' نیکی اور برائی کے دو الگ الگ خداؤں کی تعلیم دیتا تھا۔قرآن مجید نے اس کا رد اس دلیل سے کیا کہ جس طرح کسی بندے کے پہلو میں دو دل نہیں ہو سکتے اسی طرح دو الہ نہیں ہو سکتے۔کافر تو سیدھا انکار باری تعالیٰ مقرر کے اپنا معاملہ الگ کر لیتا ہے۔لیکن مشرک کی مصیبت اس سے کہیں بڑی ہوتی ہے۔وہ وجود باری تعالیٰ کا مقر ہوتا ہے۔پر اپنے لئے کئی الہٰ اور بنالیتا ہے۔کبھی کہتا ہے جس ہستی یا جن ہستیوں کو اس نے اپنا سہارا بنایا ہے، وہ عنداللہ اس کے سفارشی ہیں وہ اس کے بندے ہیں۔اس نے

ان کو اختیارات عطا کئے ہیں وہ اس کے انبیاء ہیں وہ اس کے برگزیدہ بندے ہیں۔ وہ اس کے دربار میں ،اس کے تقرب کا ذریعہ ہیں۔قرآن مجید ان سارے دعاوی کو یکسر مسترد کرتا ہے اور صاف صاف بتاتا ہے کہ انبیاء سمیت سارے برگزیدہ بندے من دون اللہ ہیں اور یوں جو جو عقائد اُن کے متعلق اپنائے گئے ہیں اور جو جو اختیاراتِ الوہیت ان میں ڈالے گئے ہیں ،صرف لوگوں کی اپنی ذہنی اختراع ہیں۔

سورہ مائدہ میں یہ پورا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے۔ہم میدان حشر میں جب حضرتِ عیسیٰ سے یہ سوال کریں گے کہ آیا آپ نے لوگوں کے سامنے اپنے تئیں اور اپنی والدہ محترم کو ''الٰھین من دون اللہ'' کے طور پر پیش کیا تھا۔

قارئین توجہ فرمائیں اللہ باری تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ اور سیدہ مریمؑ کو ''من دون اللہ'' قرار دے رہے ہیں۔لہذا اس موقف میں کوئی صداقت ،کوئی وزن یا کوئی منطق نہیں ہے کہ انبیائے کرام یا برگزیدہ بندے ''من دون اللہ'' نہیں ہیں۔دوسری توجہ طلب بات یہ ہے کہ جس ہستی کو بھی بندے ،سفارشی ،تقرب الٰہیہ کا ذریعہ اللہ کا بیٹا یا غوث وغیرہ بنا لیتے ہیں ،اسے وہ اپنے منہ سے بیشک الٰہ نہ کہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سب ہستیاں اس کے مقابلے میں الٰہ ہیں۔فیصلہ کن امر یہ نہیں کہ ہم کسی ایسی ہستی کو ، جسے ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنا کارساز ،حاجت روا یا اللہ سے اپنی حاجت روائی کا ذریعہ کہتے ہیں مگر ہم اپنے منہ سے اسے الٰہ نہیں کہتے بلکہ فیصلہ کن امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی تمام ہستیوں کو الٰہ قرار دیتے ہیں کیوں کہ عیسائی ،حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے متعلق یہی عقائد رکھتے تھے جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ ان سے میدانِ حشر میں یہ سوال پوچھیں گے جن کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔

مشرکین ،شرک کو کبھی شرک نہیں مانتے اور وہ اس بات پر نازاں رہتے ہیں۔کہ وہ زبانی طور پر اللہ کے وجود کے اقراری ہیں اور اس کے انبیاء اور برگزیدہ بندوں میں کارسازی اور حاجت روائی کرنے یا اللہ سے حاجت روائی کرا دینے کی اہلیت اور میدانِ حشر میں ان کی گلوخلاصی کرانے کی طاقت ، جو وہ ان میں ڈال رہے ہیں ،اس کے متعلق ان کا عقیدہ ہو کہ وہ ان بزرگوں کو اللہ نے عطا کر رکھی ہے تو دراصل اسی کو شرک کہتے ہیں اول تو ایسا کوئی انتقالیِ اختیارات کا فرمان موجود نہیں ہے جس کے تحت اللہ باری تعالیٰ نے اپنی الوہیت کے اختیارات اپنے کسی برگزیدہ بندے کو عطا فرمائے ہوں اور جہاں اپنے کسی نبی سے کوئی

خارقِ عادت کام کرایا وہاں صاف وضاحت فرمادی کہ اس فعل کے پیچھے دراصل ہماری منشا، ہمارا اذن اور ہماری اپنی طاقت کارفرما دی۔ مثلاً بدر کے روز جب معرکہ قتال گرم تھا تو آنحضرت ﷺ مٹھی بھر سنگریزے ہاتھ میں لے کر ''شاھت الوجوہ'' کہتے ہوئے کفار کی طرف پھینکے جوان کو لگے اور ان کی آنکھوں اور نتھنوں میں داخل ہو گئے۔ یہ واقعہ قرآن میں مذکور ہے اور ساتھ یہ وضاحت کر دی گئی ﴿وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ﴾ (الانفال: ۱۷) کہ وہ خاک کا فضا میں بکھیر دینا اور کفار کی آنکھوں میں ڈال دینا، حضور کا ذاتی فعل نہ تھا بلکہ اللہ کا فعل تھا۔ حضرت عیسیٰؑ مردہ کو زندہ کرتے، کوڑھی کو تندرست کر دیتے تھے۔ اور مادرزاد اندھے کو بینا کر دیتے، مٹی کے پرندے بناتے اور ان میں پھونک مارتے اور پرندہ اڑ جاتا۔ ان سب کاموں کے ساتھ وضاحت کر دی گئی کہ یہ ''باذن اللہ'' ہوتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ منکرین انبیاء نے ان سے کوئی نشانی دکھانے یعنی معجزہ ظاہر کرنے کا مطالبہ کیا اور انبیاء نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ ان منکرین کی فرمائش پوری ہو جائے تو ایمان لے آئیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائش جب چاہا پوری کر دی اور جب چاہا نہ پوری فرمائی۔ یوں ثابت کر دیا کہ معجزہ اپنے طور پر دکھا دینے کی کوئی قدرت اس نے انبیاء کو منتقل نہیں کی۔

علمائے یہود نے آپؐ کے امتحان کی خاطر آپؐ سے اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کا قصہ پوچھا اور آپؐ نے اگلے دن کا وعدہ کر لیا۔ خیال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ وحی بھیج دیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے اس بات کا نوٹس لے لیا کہ آپؐ نے انشاء اللہ کیوں نہیں کہا تھا۔ کم وبیش اٹھارہ دن وحی نہ اتری۔ یہود طعن کرتے تھے کہ آپؐ یونہی وحی کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اب کیوں وحی نہیں اترتی۔ حضورؐ سخت پریشان تھے۔ آخر کار وحی آئی اور دونوں قصے مفصل طور پر بیان کئے گئے اور ساتھ حکم دیا گیا کہ انشاء اللہ ضرور کہا کریں۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کا حکم ذاتی نہیں ہوتا بلکہ وہبی ہوتا ہے۔ وہ باتیں تو غیب کی بتاتے ہیں مگر اسی قدر جتنی باتیں اللہ تعالیٰ انھیں بتاتا ہے اور غیب کا علم وہ نہیں ہوتا جو کسی خارجی ذریعے سے حاصل کیا جائے۔ مثلاً جغرافیائی اور سائنسی آلات کی مدد سے ہواؤں کے رخ اس کے دباؤ، بادلوں میں پانی کی مقدار وغیرہ کا حساب لگا کر بارش ہونے نہ ہونے اور سردی گرمی پڑنے کی پیش گوئی کر دی جاتی ہے جو عموماً درست ثابت ہوتی ہے تو اسے غیب دانی نہیں کہہ سکتے کیوں کہ یہ سارا علم خارجی ذرائع یعنی آلات کے ذریعے حاصل کیا گیا تھا۔ اسی

طرح انبیاء بھی خارجی ذریعہ یعنی وحی سے پوشیدہ باتوں کا علم حاصل کرتے تھے لہذا وہ غیب دان نہ تھے۔

توحید کا اقرار کرنے کے بعد ذات، صفات، عبادات، اور اختیارات الٰہیہ میں کسی نبی یا کسی برگزیدہ بندے کو شامل کر لینا، عملاً عقیدہ توحید کا انکار بنتا ہے۔ معجزات کا اقرار دراصل رسالت کا اقرار ہے مگر انھی معجزات کو جب انبیاء کی ذاتی قدرت کا اثر مان لیا جائے تو کفر ہو جاتا ہے۔ فرض کیجئے ایک شخص مسلمان ہے اور وہ یہ ایمان رکھتا ہے کہ مسلمانوں کا قبلہ مسجد حرام یعنی بیت اللہ شریف ہے اور جب نماز پڑھنے لگے تو منہ بیت المقدس کی طرف کر لیتا ہے تو اس کے عقیدہ کی کوئی قیمت عنداللہ نہ رہی کیوں کہ اس کا عملاً اس کے عقیدہ کی تردید کرنا ہے۔ وہ منہ سے دن میں لاکھ بار بیت اللہ شریف کو اپنا قبلہ کہے مگر عمل یعنی نماز میں اپنا رخ اس عقیدہ کے الٹ بیت المقدس کی طرف کر لیتا ہے تو اس کا نام منکرین بیت اللہ شریف میں لکھا جائے گا اور اس کی ساری نمازیں مسترد کر دی جائیں گی۔ صرف نمازیں ہی کیا، اس کا دعویٰ ایمان و اسلام ہی سرے سے مردود ہوگا۔

شرک کی تعریف کیا ہے، یہ تعریف میں اور آپ نہیں کر سکتے، شرک کی تعریف وہی ماننا پڑے گی جو اللہ تعالیٰ نے خود کی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی ذاتی توجیہ سے شرک کو شرک ہی نہ مانے اور اس کا ارتکاب کرتا جائے تو اس سے یہ تو ہونے سے رہا کہ اللہ تعالیٰ شرک کی تعریف بدل دیں گے اور اس کے شرک کو توحید میں شمار کریں گے۔ ذیابیطس کا کوئی مریض چینی کو نمک کہہ کر کھانے لگ جائے تو چینی اس لئے نمک نہ بن جائے گی کہ مریض اسے نمک کہتا ہے۔ سو اگر کوئی بندہ شرک کو شرک ہی نہ مانے اور مشرکانہ عقائد و اعمال کو توحید کہنے پر اصرار کرتا ہے تو اس سے حقیقت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ آج کل یہی ہو رہا ہے کہ لوگ شرک کو شرک نہیں کہتے اور بڑی دلیری سے شرک کرنے کے بعد بھی موحد کہلاتے ہیں۔ شرک کو توحید کہنے سے نہ تو شرک اور نہ ہی توحید کی وہ تعریف بدل جائے گی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ نے کی ہے۔ زہر کو تریاق اور تریاق کو زہر کہنے سے دونوں کی ماہیت اور خاصیت نہ بدل جائے گی۔ خوب کو ناخوب اور ناخوب کو خوب کہنے سے ان کی معنویت نہ بدل جائے گی۔ دودھ کو پانی اور پانی کو دودھ کہنے سے حقیقت نہ بدل جائے گی۔ سو اگر کوئی بندہ شرک کو توحید کہتا ہے تو اس کے منہ پر کون ہاتھ رکھ سکتا ہے۔ کلمہ اسلام لا الٰہ الا اللہ میں الٰہ کے وہی معنے ماننا پڑیں گے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ نے بتائے ہیں۔ الٰہ ہوتا ہی وہ ہے جس کی

ذات، صفات، اختیارات اور عبادات میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو مثلاً الٰہ مشکل کشا ہوتا ہے۔ یہ اس کی صفت ہے۔ مشکل کشائی الٰہ کی ایسی صفت ہے جو اس سے الگ نہیں ہوسکتی اور نہ کسی دوسرے کو منتقل ہوسکتی ہے۔ فریادرس الٰہ ہے یہ صفت اس سے الگ نہیں ہوسکتی۔ یہ اس کی خصوصیت ہے۔ اس کے سوا کوئی غوث نہیں ہوسکتا جو اس کے اختیارات میں شریک ہو اور لوگوں کی فریادرسی کر سکے۔ ان سب حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ عقیدہ اور عمل کا اختلاف، عقیدہ کو بھی برباد کر دیتا ہے۔

لیکن یہاں ایک اور باریک بات بھی ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ کہ زنا حرام ہے۔ بدقسمتی سے کئی مسلمان اس کارِحرام میں ملوث ہیں مگر وہ عقیدہ یہی رکھتے ہیں کہ یہ کارِحرام ہے تو ان کا فعل گناہ کبیرہ میں شمار ہوگا۔ لیکن شرک کا معاملہ یہ نہیں۔ ایک مسلمان توحید کا اقراری ہے۔ لا اِلٰہَ الا اللّٰہ پڑھتا ہے۔ شرک کا انکاری ہے۔ اسے ظلم عظیم کہتا ہے۔ مگر عملاً شرک کرتا ہے اور ساتھ اسلام کے سارے احکام بجالاتا ہے۔ مناھیات اور منکرات سے مجتنب رہتا ہے حتیٰ کہ میدان جہاد میں لڑتا ہوا مارا جاتا ہے تو اس کے سب کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ زانی زنا کی حرمت کا عقیدہ رکھتا ہے مگر ارتکابِ زنا بھی کرتا ہے تو اس کا فعل گناہ کبیرہ ہے۔ مگر مشرک، شرک کی حرمت کا عقیدہ رکھتا ہے مگر پھر شرک کرتا ہے تو اس کا ارتکاب شرک اسے دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ یہ فرق سمجھیں اور بات آگے جاتی ہے۔ اب اگر زانی، حرمتِ زنا کو ہی نہ تسلیم کرے اور اسے جائز فعل سمجھ کر اس کا ارتکاب کرے تو وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا کیوں کہ اس نے حرام کو حلال ٹھہرالیا تھا۔ یہ مفروضہ قیاسی ہے۔ یعنی اگر ایسا ہو تو اور اگر کوئی زانی شعوری طور پر اسے حرام مانتے ہوئے اس کا ارتکاب کرتا ہے تو گناہ کبیرہ کا مرتکب اور سزا کا حقدار ہوگا۔ لیکن شرک اتنا سنگین جرم ہے کہ اگر اس کی حرمت کا عقیدہ رکھ کر اس کا ارتکاب کیا جائے تو بھی انسان مشرک قرار پاتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان اپنی کسی توجیہ کے ذریعے شرکیہ اعمال وافعال یا عقائد ونظریات کو شرکیہ نہ بھی سمجھتا ہو تو بھی وہ مشرک ہی قرار پائے گا۔ کیوں کہ شرک کی تعریف یا توجیہ انفرادی یا شخصی آزادی کے تحت نہ آئی ہے اور نہ ہی کسی علمی یا عقلی استدلال کے زور پر اس تعریف کو تبدیل کیا جاسکتا ہے جو اللہ اور اس کے نبی ﷺ نے متعین ومقرر فرمادی ہے۔ علمی یا عقلی توجیہات سے اسلام کے طے شدہ احکام کی کوئی نئی توجیہ ہو ہی نہیں سکتی۔ اسلام نے سود کی دوحرفی تعریف کردی ہے ''روپے پر منافع'' مسلمان سود کو حرام تسلیم کرتے

ہیں لیکن بعض لوگ اس کی نئی نئی توجیہات کرتے ہیں کہ بنک کا سود اس سے مستثنیٰ ہے۔ یہ مارک اپ ہے۔ یہ انٹرلیسٹ ہے یہ منافع ہے بنک کوئی مجبور پارٹی ہے بنک کاروبار کرتے ہیں۔ یا فلاں فرم کاروباری ادارہ ہے۔ لوگوں کا روپیہ کاروبار میں لگاتی ہے اور منافع تقسیم کرتی ہے مگر یہ سب دلائل جھوٹے اور بورے ہیں۔ یہ توجیہہ بھی بڑی ناقص ہے۔ اگر یہی منطق درست مان لی جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ جب تاج کمپنی کا دیوالیہ نکلا تو منافع کھانے والے سود خور کیوں بلبلانے لگے۔ اگر یہ واقعی کوئی کاروبار تھا تو کاروبار میں نقصان کو اسی طرح کیوں نہ قبول کیا گیا جس طرح سود پر خوشیاں منائی جاتی تھیں لہذا سود صرف سود ہوتا ہے اس کی کوئی بھی توجیہ اسلام میں اس کی حلت کا سبب نہیں بن سکتی۔

بعض لوگ متعہ کو جائز کہتے ہیں لیکن اسلام میں حرام ہے۔ جو لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں، ان کی کوئی بھی توجیہ اس کی حرمت کو حلت میں نہیں بدل سکتی۔ اس کی کراہت اور حرمت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ کہ بھائی تو کسی کی بہن سے متعہ کر لیتا ہے مگر اس کی اپنی بہن متعہ بننے کا ارادہ کرے تو اس کے قتل کے درپے ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح شرک کی کوئی بھی تعبیر یا تعریف اس تعریف کو بدل نہیں سکتی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ نے حتمی طور پر کر دی ہے شرک کو شرک نہ کہہ کر شرک کرنا ہی تو اصل شرک ہے۔ مشرکین مکہ بھی یہی کہتے تھے کہ ان کے بزرگ جن کے بت وہ پوجتے تھے، وہ ان کی فریادیں اللہ تک پہنچاتے تھے اور بس اور وہ صرف ان کے ''شفعاء'' تھے۔ فریادرسی، حاجت روائی اور مشکل کشائی کیلئے جہاں اللہ اور بندے کے درمیان کوئی تیسرا آیا وہاں شرک ہو گیا قطع نظر اس سے کہ بندہ اسے کہتا ہے یا نہیں کہتا۔ اس کے جواز کیلئے اس کے پاس کیا دلائل ہیں، وہ دلائل قرآن سے لیتا ہے حدیث سے لیتا ہے۔ میں نے قرآن وحدیث کا نام اس لئے لیا ہے کہ گمراہ لوگ قرآن وحدیث کو توڑ موڑ لیتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ماننے والے، مرزا کی جھوٹی نبوت کے دلائل قرآن سے نکال لیتے ہیں۔ ہمارے دور کے مشرکین قرآن سے یہ دلیل بھی نکال لاتے ہیں کہ بندے اللہ سے اپنے لئے غیر اللہ غوث بھیجنے کی التجا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ رؤف اور رحیم ہیں اور اللہ نے اپنی یہ صفت اپنے پیغمبر ﷺ کو بھی عطا فرمائی ''(حضورؐ) مومنین پر رؤف اور رحیم ہیں۔ اسی طرح حضورؐ جہانوں کیلئے رحمت ہیں۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ حضور ﷺ رازق اور خالق ہیں۔ اسی طرح یہ بھی نہیں فرمایا کہ حضورؐ حاضر ناظر اور علام الغیوب ہیں۔ ان صفات عالیہ

کے بارے میں قرآن میں بتکرار فرما دیا کہ ان صفاتِ الٰہیہ سے مخلوق میں کوئی ہستی متصف نہیں کی گئی۔ دیکھیں جہاں استثنا تھا وہاں بتا دیا کہ حضورؐ رؤف اور رحیم ہیں۔ اس لئے وہ صفات الٰہیہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مختص کر لی ہیں، ان میں کسی دوسری ہستی کو شریک کر لینا شرک فی الصفات ہے۔ پیدا کرنا اور مارنا اللہ کا اختیار ہے اسے اختیار کہہ لیں یا صفت بات ایک ہی ہے۔ صفات دراصل اختیارات کا ہی مظہر ہوتی ہیں اگر کوئی بندہ مارنے اور جلانے کے اختیارات کسی دوسری ہستی میں ڈالتا ہے تو وہ شرک فی الاختیارات الٰہیہ کا مرتکب ہے۔ ذات الٰہیہ کے بارے میں ہم کوئی ایسا نقشہ نہیں بنا سکتے اور نہ بنانا چاہئے جو اس کا کوئی حسی یا مادی تصور پیش کر سکتا ہو۔ بس ہم اسی قدر کہنے اور ماننے کے مکلف ہیں کہ ذاتِ باری تعالیٰ احد و واحد ہے۔ اس کا کوئی بیٹا بیوی تو نہیں وہ ﴿لم یلد ولم یولد﴾ ہے۔ اور بس، وہ نا قابلِ تقسیم اکائی ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ ہاں اس کا بیٹا بیوی تو نہیں مگر اس کے نور سے کوئی اور مخلوق بھی بنی ہے تو یہ شرک فی الذات ہے۔ اگر نور سے نور کا جدا ہو کر کسی انسانی قالب میں ڈھل جانے کا کوئی قرینہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر وہ طریقہ بھی بتانا پڑے گا جس کے مطابق یہ نور کسی رحمِ مادر میں منتقل ہوا اور انسانی صورت میں متشکل ہوا۔ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا کئے گئے تو پوری تفصیل بتا دی گئی۔ روح امر ربی ہے۔ ﴿کن فیکون﴾ اس کی قدرت ہے۔ عیسیٰؑ تو شکم مادر میں پرورش پا کر منصۂ شہود پر ظاہر ہوئے۔ آدمؑ ﴿کن فیکون﴾ کے تحت ہی کھڑے ہو گئے۔ اگر کوئی نور ذاتِ باری تعالیٰ سے جدا ہوا تو ذاتِ باری تعالیٰ نا قابل تقسیم اکائی نہ رہی جبکہ یہ مسلمات میں ہے کہ وہ ذات نا قابل تقسیم اکائی ہے۔ آدمؑ اور عیسیٰؑ کی تخلیق کیلئے اللہ باری تعالیٰ نے تخلیق کے عام قاعدہ سے ہٹ کر اپنی قدرت کا استعمال کیا تو پوری تفصیل بیان فرما دی اور کوئی ابہام باقی نہ رہنے دیا۔ اب اگر وہ اپنے نور سے کوئی انسان تخلیق فرماتا تو یہ بھی خلاف قاعدۂ تخلیق ہوتا اور بدرجہ اولیٰ مقتضی ہوتا کہ پوری تفصیل کے ساتھ غیر مبہم انداز میں بیان کر دیا جاتا مگر ایسا نہیں ہوا اور نہ بیان ہوا ہے۔ یہود و نصاریٰ نے پہلے حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنایا اور پھر خود بھی اللہ کے بیٹے بن بیٹھے۔

چنانچہ قرآن میں آتا ہے: ﴿نحن ابناء الله واحباءه﴾ ترجمہ: ''یہود اور نصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔'' یہ سب عقائد باطلہ شرک فی الذات کی مثالیں ہیں۔

تو جیہات تو ہمیشہ سے ہوتی آئی ہیں ۔ یہود و نصاریٰ یہ تو جیہہ پیش کرتے ہیں کہ وہ ان انبیاء کی اولادیں ہیں جو ابن اللہ ہیں ۔ لہذا وہ بھی اس دلیل پر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہیں ۔ ہم مسلمان ان کی تمام ایسی تو جیہات کو رد کرتے ہیں مگر خود اپنے پاس سے ایسی ہی نئی تو جیہہ نکالتے ہیں اور اپنے نبی علیہ السلام کو اللہ کے نور میں سے نور کہتے ہیں اور بعض دوسرے مزید تیرہ ہستیوں کو اس کے نور کا حصہ کہتے ہیں ۔ لیکن ان ساری اختراعات کا وہی رد ہے جو یہود و نصاریٰ کے عقائد باطلہ کا ہے ۔ ہر مدعی اپنے دعویٰ پر دلیل لاتا ہے مگر عدالت کسی دلیل کو اس لئے تسلیم نہیں کر لیتی کہ وہ پیش کی گئی ہے بلکہ یہ دیکھتی ہے کہ آیا دلیل دعویٰ درست ہے یا غلط ہے ۔ سو فیصلہ کن امر یہ نہیں کہ شرکیہ عقائد و اعمال پر دلائل پیش کئے جاتے ہیں بلکہ یہ دیکھنا ہر شخص کا اپنا فرض ہے کہ دلیل کا ماخذ کیا ہے اور وہ کس حد تک درست ہے ۔ ہم مرزا غلام احمد کی نبوت پر پیش کئے جانے والے دلائل کو یکسر مسترد کر دیتے ہیں ۔ جبکہ انہی دلائل کو دوسرے لوگ قبول کر لیتے ہیں اور اس کے دعویٰ نبوت پر ایمان لے آتے ہیں ۔ یہ لوگ میدان حشر میں جب معرض حساب میں کھڑے کئے جائیں گے اور مرزا کے جھوٹے دعویٰ نبوت پر ایمان لانے کی وجہ سے پکڑے جائیں گے تو یہ ضرور ان دلائل کا حوالہ دیں گے جن کی بناء پر انہوں نے اسے نبی مانا تھا ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلائل کو تسلیم کر لیں گے ؟ نہیں ، ہرگز نہیں ! اور اگر نہیں تسلیم کریں گے تو یہ ثابت ہو گیا کہ کسی عقیدہ یا عمل کی صحت پر دلائل وہی کام دیں گے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں ۔ مرزا کے متبعین آج اپنے دلائل کی زبردست طاقت کے بل پر حضور اقدسؐ کی ختم نبوت کے انکاری ہیں ۔ جہاں تک دلائل کا تعلق ہے تو انہیں اپنے دلائل کی صحت پر اتنا یقین ہے کہ وہ ہماری کسی دلیل کو لائق اعتنا ہی نہیں سمجھتے ۔ سو بات یہ نہیں کہ کسی عقیدہ باطلہ پر دلائل لائے جاتے ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ ان دلائل کی حیثیت کیا ہے ۔ اگر حضورؐ کے بعد کوئی نبی آ سکتا تھا تو ہم پوچھتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے مسیلمہ کذاب اور اس کی امت کے خلاف تلوار سے جہاد کر کے انھیں قتل کیوں کر دیا تھا ؟ ہمارے دلائل ختم نبوت جو ہم قرآن و حدیث سے اخذ کرتے ہیں ، ان کی صحت پر یہ دلیل اتنی قوی ہے کہ اگر قادیانی لوگ اس پر غور کریں تو فوراً تائب ہو جائیں ۔ اسی طرح شرکیہ عقائد و اعمال پر دلائل تو ہمیشہ سے دیئے جاتے رہے ہیں اور لوگ انھیں قبول بھی کرتے آ رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ انھیں ہرگز قبول نہ فرمائیں گے کیوں کہ انھوں نے شرکیہ عقائد و اعمال کے خلاف اپنے دلائل قرآن و حدیث کے

ذریعے ہمیں بتائے ہیں۔ یہ شعر دیکھئے۔

اولیا راہست قدرت از الٰہ

تیر جستہ باز گردانند ز راہ

ترجمہ: اولیاؑ کو اللہ کی طرف سے یہ قدرت ملی ہے کہ وہ کمان سے چھوٹے ہوئے تیر کو ہدف پر پہنچنے سے پہلے واپس لا سکتے ہیں۔ بس یہی تو سارا تنازعہ ہے۔ الٰہ کا وہ فرمان دکھا دو جس کے ذریعے اس نے اولیاؑ کو یہ قدرت عطا کی ہے۔ ہماری نظر اس قرآنی بیان پر ہے کہ من دون اللہ ساری ہستیاں اتنی عاجز ہیں کہ مکھی کوئی چیز اڑا لے تو اس سے بھی نہیں چھین سکتیں اور تم کہتے ہو تیر کو راستے سے واپس لا سکتے ہیں۔ اور اگر بموجب فرمان الٰہیہ حضرت عیسیٰؑ اور سیدہ مریمؑ من دون اللہ ہیں تو اولیائے کرام سمیت دیگر سب ہستیاں بدرجہ اولیٰ من دون اللہ میں داخل ہیں۔ اب ہر بندے کی صوابدید پر ہے کہ وہ دلائل کا کون سا سیٹ قبول کرتا ہے اور کونسا مسترد کرتا ہے۔ اسے اپنی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا لیکن اگر وہ دلائل ربانی کو چھوڑ کر دلائل کا کوئی سیٹ قبول کرتا ہے تو اسے اس لئے معاف نہیں کر دیا جائے گا کہ اس نے اپنی صوابدید کا استعمال غلط کیا تھا۔ ہدایت اور گمراہی کے دونوں راستے واضح اور متعین کر دینے کے بعد بندے کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ اب اپنی صوابدید کا استعمال کرے اور جو راستہ چاہے اختیار کرے۔ بس اسی قدر تو امتحان ہے۔ جو یہاں ٹھوکر کھا گیا، نامراد ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ نحن أولياء كم فى الحيوة الدنيا و فى الأخرة ﴾ ترجمہ: ''دنیا اور آخرت میں ہم تمہارے اولیاؑ ہیں'' قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿الا ان اولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون ﴾ ترجمہ: ''بے شک اولیاؑ اللہ کو نہ خوف ہوگا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔'' اولیاؑ اللہ، اللہ کے مطیع و فرمانبردار بندے ہیں۔ ان کے شرف کے طور پر بتایا گیا کہ وہ میدانِ حشر میں خوش و خرم ہوں گے اور ان کی بخشش یقینی ہوگی۔ اس شرف کے بیان کا مقصد یہ نہیں کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت میں شامل کر لیا ہے اور لوگوں کی حاجت روائی، فریاد رسی اور مشکل کشائی کے اختیارات کلی یا جزوی طور پر دے دیئے ہیں یا انھیں تدبیر کائنات میں اپنا ساجھی بنا لیا ہے۔ اور نہ ہی اولیاؑ اللہ خود دعویٰ ولایت کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے قبضہ میں الوہیت کے اختیارات دیئے جانے کا کوئی سبق پڑھاتے ہیں، مثلاً لاہور والے سید علیؒ ہجویری کو لوگ ان کی زندگی میں ہی داتا کہنے لگ گئے تھے تو

آپ نے اس عقیدہ باطلہ کی تردید فوراً اپنے منہ اور قلم سے کر دی اور اپنی کشف المحجوب میں لکھا۔ ''بعض جاہل لوگ مجھے داتا کہتے ہیں حالانکہ میں تو کسی کو ایک دانہ تک نہیں دے سکتا'' اس صراحت کے بعد بھی لوگ انھیں داتا ہی کہیں تو ان کی مرضی مگر یہ کہہ کر اور لکھ کر وہ ولی کامل دربارِ الٰہیہ میں بری ہو گئے۔ اور میدان حشر میں اپنے تئیں داتا کہنے والوں سے منہ موڑ لیں گے۔ ہم منصب ولایت کو مانتے اور اولیاً اللہ کا ادب و احترام کرتے ہیں۔ ان کی ہم نشینی کو باعث سعادت کہتے ہیں۔ ہم ان سے دعائیں بھی کراتے ہیں۔ لیکن ہم انھیں مدبر کائنات اور حاجت روا اور مشکل کشا اور غوث نہیں کہتے۔ یاد رکھیں منصب ولایت پر کسی ہستی کو کسی آسمانی حکم کے تحت اس طرح متمکن نہیں کیا جاتا۔ جس طرح انبیاء کو منصب نبوت پر کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی دعویٰ نبوت کرتے تھے مگر اولیاً کبھی دعویٰ ولایت لے کر نہیں اٹھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ نیک بندوں کی نیکی، پارسائی، پرہیز گاری اور سنت پر ان کی استقامت، ان کی شب بیداری و بے نفسی اور ہوائے نفس پر ان کی سختی کو دیکھ کر ہم انھیں ولی اللہ کہہ دیتے ہیں اور ایسا کرنے کا ہمیں حق ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ ہمارے کارساز نہیں۔ ہمارے مشکل کشا ہیں، ہمارے فریادرس ہیں۔ مدبر کائنات ہیں یا ہمارے غوث ہیں تو اس قسم کے تمام عقائد باطلہ کا رد اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر، کر دیا کہ دنیا اور آخرت کی۔ حیات میں صرف ہم اور صرف ہم تمہارے اولیاً ہیں۔ کلمہ اولیاً دونوں مقامات پر ایسی وضاحت کے ساتھ برتا گیا ہے کہ کوئی ابہام نہیں رہنے دیا گیا۔ ''اولیاً اللہ'' میں اولیاً بمعنی دوست، محبوب اور پیارا کے مفہوم میں برتا اور نحن اولیاؤکم؟ میں ولی بمعنی کارساز، مدبر، فریادرس، حاجت روا اور مشکل کشا لایا گیا۔ لہذا اللہ کے ولی اللہ کے پیارے ہوتے مگر ہمارے کارساز اور حاجت روا، مشکل کشا، غوث نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ اے لوگو! دنیا اور آخرت میں صرف میں ہی تمہارا کارساز ہوں۔ میں ہی تمہارا مشکل کشا ہوں۔ میں ہی تمہارا حاجت روا ہوں۔ میں ہی مدبر کائنات ہوں۔ میں ہی تمہاری بگڑی بنا سکتا ہوں۔ میں ہی اس وقت تمہاری پکار کو سن سکتا ہوں جس وقت ساری مخلوق سو چکی ہوتی ہے۔ میں تمہارے دل کی دھڑکن کو بھی سنتا ہوں اور میں تمہاری ان آرزوؤں کو بھی جانتا ہوں جو تم دل میں چھپائے ہو۔ میں تمہارے دست سوال کو اس وقت بھی دیکھتا ہوں جب تم رات کے اندھیرے میں اسے میرے سامنے پھیلاتے ہو۔ تم مانگو تو میں دیتا ہوں مگر بہت کچھ بن مانگے ہی دے دیتا ہوں۔ تم نے مجھ سے حیات نہ مانگی

تھی ۔ میں نے یہ نعمتِ عظمیٰ تمھیں بن مانگے ہی دے دی ۔ تمھیں اعضا و جوارح بن مانگے ہی دے دیئے ۔ تم ہم سے کیوں مایوس ہوتے ہو ۔ ذرا اپنی آرزو ہمارے سامنے پیش تو کرو پھر دیکھو ہم تمھیں کیسے نہال کرتے ہیں ۔ تم ان سے کیا مانگتے ہو جو میرے در کے سوالی ہیں ۔ ارے تم تو مسلمان ہو ، کولمبس عیسائی تھا ، اس نے ہم سے نئی دنیا طلب کی تھی ، ہم نے اس کے ہاتھ پر امریکہ دریافت کرا دیا ۔ الیگزینڈر دی گریٹ زندیق تھا ، اس نے تسخیر کائنات کی تمنا کی تو ہم نے فاتح عالم بنا دیا ۔ ارے تم نے میرے نبی کا کلمہ پڑھا ہے ۔ تم تو میرے اپنے ہو ۔ تمھیں میں نے کب خالی ہاتھ لوٹایا ہے جو تم میرے غیر کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو ۔ میں تو تمہارے ایک ایک سجدہ کا قدر دان ہوں ، پر تم نے وہ پیشانی جو میرے سامنے سجدہ کرنے والی تھی ۔ اسے غیر اللہ کے درباروں میں رگڑ رگڑ کر بے آبرو کر دیا ہے ۔ میں نے تمھیں آبرو دی تھی اور تم نے اپنی آبرو کے موتی غیر اللہ کے آستانوں پر ضائع کر دیئے ۔ میں نے تمھیں خوددار بنایا تھا مگر تم نے غیر اللہ کے آستانوں اور درباروں میں جھک کر اپنے تئیں حقیر و ذلیل کر لیا ۔ اب تک ہم نے جو گفتگو کی ہے ، اس کا حاصل یہ ہے ۔

ا ۔ شرک کو مشرک ، شرک تسلیم نہیں کیا کرتے ۔

ب ۔ کسی دلیل کے زور پر شرک کی اس تعریف کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے کر دی ہے ۔

ج ۔ اگر کوئی شخص فعل حرام کو حرام ہی کہہ کر ، اس کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے ۔ مگر دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہے ۔

د ۔ مشرک ، شرک کو شرک مانے یا نہ مانے مگر اس کا مرتکب ہو تو وہ بہر حال دائرۂ اسلام سے خارج ہو گا ۔

ر ۔ اللہ کے فرماں بردار بندے ہوتے ہیں ۔

س ۔ دنیا اور آخرت کی زندگی میں ہمارا ولی (کارساز) صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے ۔ اب ہم شرک فی العبادات کو لیتے ہیں ۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے : ''اے اولادِ آدم ، شیطان کی عبادت ہرگز نہ کرنا'' عبادت کا ہر تصور سجدہ سے ابھرتا ہے ۔ اب روئے زمین پر کبھی ایسا انسان نہیں دیکھا گیا جو شیطان کو سجدہ کرتا ہو ۔ یا

شیطان کیلئے قیام ورکوع کرتا ہو۔ بلکہ جملہ مذاہب کے پیروکار شیطان پر لعنت کرتے ہیں۔ لہذا دیکھنا چاہئے کہ شیطان کی عبادت سے قرآن کا کیا مفہوم ہے۔ عبادت ایک وسیع المعنے کلمہ ہے جس میں سب سے پہلے قیام، رکوع اور سجود ہی شامل ہے مگر عبادت کا وسیع مفہوم زندگی گزارنے کا وہ لائحہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ لائحہ عمل حضور اقدسؐ کے اسوۂ حسنہ کی صورت میں ہمارے سامنے رکھا ہے۔ ہم اس اسوۂ مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے جو کچھ کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے حکم میں داخل ہوگا حتیٰ کہ ہمارا سونا بھی عبادت میں شمار ہوگا اور جہاں ہم اس اسوۂ حسنہ سے انحراف کریں گے وہاں ہم شیطان کی عبادت کر رہے ہوں گے بے شک ہم شیطان کو سجدہ نہیں کرتے۔ ہم عبد ہیں، عبد عبادت سے ہے۔ مثلاً ہم تجارت اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کر رہے ہیں، رزق کما رہے ہیں۔ نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ زکوٰۃ دے رہے ہیں۔ شادیاں کر رہے ہیں۔ بچوں کو تعلیم دلا رہے ہیں۔ اپنے کسی حق کی بازیابی کیلئے قانونی چارہ جوئی کر رہے ہیں۔ عدالت میں سچی شہادت دے رہے ہیں۔ گویا ہم اپنی دنیوی زندگی اسلامی احکامات کے تحت گزار رہے ہیں تو ہماری پوری زندگی کی کاروائی شامل عبادت ہے کیوں کہ ہماری ساری کارگزاری اللہ کے حکم کے تحت ہوگی اور اسی فرماں برداری کا نام عبادت ہے۔ اور جہاں ہم نے من مانی کی تو قرآن کہتا ہے کہ ہوائے نفس تمہارا الٰہ بن گئی۔ اور یہی ہوائے نفس شیطان کی عبادت ہے۔ رسالت کا اقرار یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم زندگی گزارنے کیلئے حضور اقدسؐ کے اسوۂ حسنہ پر ٹھیک ٹھیک عمل کریں کیوں کہ زندگی گزارنے کا یہ پیغمبرانہ اسوہ دراصل منشائے الٰہیہ کی عملی تصویر ہے۔ یہ اسوہ اتنا کامل ہے کہ اس میں کوئی کمی نہیں ہے۔ یہ اتنا کامل ہے کہ اس میں کسی بیشی کی حاجت نہیں۔ یہ عبودیت کا ایک جامع نقشہ ہے جو اللہ کے عبدِ اعظم نے ہمارے سامنے رکھا ہے۔ یہ عبدِ اعظم، اس کے پیغمبر اعظمؐ نے غیر اللہ کیلئے سجدہ حرام کر دیا ہے۔ سو اگر کوئی شخص غیر اللہ کو سجدہ کرتا ہے یا جھکتا ہے یا کھڑا ہوتا ہے تو وہ شیطان کو سجدہ کرتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس کے اسوۂ حسنہ میں کوئی نئی بات داخل کرتا ہے تو وہ نئی بات شیطان کی عبادت ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس کے اسوۂ حسنہ کے کسی فعل پر انگلی اٹھاتا ہے اور اس میں کوئی خامی نکالتا ہے تو وہ دراصل انکارِ رسالت کرتا ہے۔ نذر نیاز اور پکار و فریاد اللہ کیلئے ہے۔ منت اللہ کیلئے ہے۔ قربانی اللہ کیلئے ہے۔ چڑھاوا اللہ کیلئے ہے۔ حضور اقدسؐ نے اپنے اسوۂ حسنہ میں یہ سب کچھ کر کے دکھا دیا ہے۔

قارئین میری اس گزارش پر توجہ فرمائیں کہ جو شخص اس کے الٹ کرے گا وہ دو ظلم کرے گا۔ جبکہ بظاہر وہ ایک ظلم کر رہا ہو گا۔ حضور اقدسؐ کے اسوۂ حسنہ سے ہٹ کر جو کام بھی کیا جائے گا، وہ شیطان کی عبادت میں شمار ہو گا اور شیطان کی عبادت شرک فی العبادات ہے۔ یہ ایک ظلم ہوا۔ دوسرا ظلم یہ کہ نبیؐ کے اسوہ کی خلاف ورزی دراصل انکار رسالت ہے۔ پس نبیؐ کے اسوہ کی خلاف ورزی، اس میں کمی بیشی، اس پر حرف گری یا اس کی تنقیص پہلے درجے ہیں شرک فی العبادات اور دوسرے درجے میں انکار رسالت ہے اور اگر غور کر کے دیکھیں تو دونوں ایک سے ایک بڑھ کر ظلم ہیں۔ اپنی یہ بات کہ کوئی شخص کلمہ اسلام پڑھ کر یہ ظلم کرے تو اس کا ظلم بڑا ظلم ہے کہ اس نے توحید و رسالت کا اقرار کر کے عمل اس کے خلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک کہنا اور مشکل کی گھڑی میں مشکل کشائی کیلئے کسی غیر اللہ کو پکارنا۔ نذر نیاز منت غیر اللہ کی دینا۔ تقرب الٰہیہ کے حاصل کرنے کیلئے بیت اللہ شریف، مسجد نبوی شریف اور بیت المقدس شریف کے سوا کسی دوسری جگہ کی زیارت کی منت ماننا، وہاں کا سفر کرنا اور وہاں کسی قسم کی قربانی، دیگ، چادر، نقدی یا کوئی اور جنس پیش کرنا، دراصل وحدہ لاشریک الٰہ کے زبانی اقرار و عقیدہ کے الٹ عمل ہے۔ اور صریح شرک ہے اور اس شرک کی شدت میں اس امر سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان افعال کا مرتکب، عقیدہ یہی رکھتا تھا کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے اور زبانی کلامی اس کا اقراری بھی تھا۔ یوں فیصلہ کن امر یہ نہیں کہ عقیدہ اور اقرار موجود رہا بلکہ یہ ہے کہ عمل اس عقیدہ کے الٹ تھا۔ رشوت خور اگر رشوت کو حرام مانتے ہوئے لیتا ہے تو گناہِ کبیرہ کا مرتکب اور مستوجب سزا ہے مگر مشرک اگر شرک کو حرام کہہ کر پھر شرک کرتا ہے تو صاف مشرک ہے۔ دائرہ اسلام سے خارج اور دائمی دوزخی ہے۔ اقرار رسالت کا اسی قدر مفہوم نہیں کہ سیدنا و مولانا محمد ﷺ کو نبی اور خاتم النبیین مان لیا جائے۔ بلکہ یہ مفہوم بالفاظ قرآن مجید بڑا وسیع ہے کہ جو کچھ نبی دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں، رک جاؤ۔ اس مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اقرار رسالت کے بعد ہم اپنی ہر قسم کی آزادی سے دستبردار ہو کر حضور اقدسؐ کی ایسی غلامی اختیار کرتے ہیں جس میں چون و چرا کی بھی آزادی نہیں ہے۔ اب یہ دیکھیں کہ حضور اقدسؐ کی مبارک تعلیم، کلمہ طیبہ کے دو حصوں کی طرح ہی دو حصوں پر مشتمل ہیں۔ یہ تعلیم قرآن اور حدیث پر مشتمل ہے آپؐ نے اپنی ساری تعلیم انھی دو ذرائع میں رکھی۔ اس نورانی تعلیم کا ایک حصہ عقائد یعنی ایمانیات اور دوسرا حصہ اعمالیات پر مبنی ہے۔ ایمانیات کی بحث

ہم پیچھے کر آئے ہیں ۔ اعمالیات میں پہلا سبق عبادات کا ہے، پھر معاملات کا ہے ۔ عبادات اللہ کیلئے ہیں ۔ معاملات میں حقوق العباد، سیرت و کردار، بیع و شرائع اور وراثت وغیرہ شامل ہیں ۔ انسان اپنی زندگی میں جن مسائل سے دوچار ہوتا ہے وہ سارے معاملات میں داخل ہیں ۔ مثلاً خدانخواستہ کہیں جھگڑا ہو جائے تو ایک مسئلہ ہے اور یہ ایک معاملہ ہے فریق مخالف ہے ۔ اس امر میں بھی ہم اپنی شخصی آزادی کو بروئے کار نہیں لائیں گے بلکہ حضور اقدسؐ کی قرآنی اور نورانی تعلیم سے روشنی حاصل کر کے اسے نپٹائیں گے ۔ اسی طرح ہم عبادات بھی وہی کریں گے جو حضورؐ نے تعلیم فرمائی ہیں ۔ وہ عبادات پھر اسی طریق پر انجام دیں گے جو حضور اقدسؐ نے مقرر کیا ہے ۔ مثلاً زکوٰۃ کی شرح اڑھائی فیصد ہے تو ہم اسے تین فیصد نہ کریں گے اور اگر کریں گے تو تعلیم نبوی سے انحراف کے مرتکب ہوں گے اور گمراہ قرار پائیں گے اور زکوٰۃ عنداللہ مردود ہو جائے گی ۔ حالانکہ ہم نے تو تین فیصد کے حساب سے زیادہ مال راہِ اللہ میں پیش کیا ہوگا ۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ صرف اسی لئے کہ ہم نے حضور اقدسؐ کے مبارک فیصلہ کو ٹھکرایا ہوگا ۔ زکوٰۃ عبادت ہے، نماز عبادت ہے، حج عبادت ہے، جہاد عبادت ہے، رزق حلال کمانا عبادت ہے ۔ وضو کرنا عبادت ہے وعلیٰ ہذا القیاس ۔ ان سب عبادات میں حضورؐ کی سنت مطہرہ موجود ہے ۔ جہاں ہم نے سنت سے منہ موڑا وہاں ہمارے کئے کرتے پر پانی پھر گیا ۔ جہاں ہم نے اپنے لئے کوئی نئی عبادت تراشی یا کوئی نیکی ایجاد کی تو یہ بدعت ہوگئی ۔ بدعت، سنت کی ضد ہے حالانکہ بدعت نیکی ہی لگتی ہے ۔ مگر ایسی نیکی جو حضور اقدسؐ نے نہیں کی اور نہ اس کے کرنے کا حکم دیا ۔ اور اس کے مردود ہونے کیلئے اور کسی ثبوت کی ضرورت ہی نہیں ۔ بدعت نیکی کے نام پر اٹھائی اور پھیلائی جاتی ہے ۔ مثلاً شادی بیاہ پر مسلمان باجے گاجے بجاتے ہیں تو انھیں معلوم ہے کہ وہ ارتکاب گناہ کر رہے ہیں ۔ اسے بدعت نہیں کہہ سکتے کیوں کہ یہ گناہ کا کام، گناہ سمجھ کر کیا جاتا ہے ۔ کتنے لڑانے والوں سے پوچھو، وہ کہیں گے کہ یہ فعل واقعی گناہ ہے ۔ یہ بھی بدعت نہیں ہے کیوں کہ اسے اسلام کے سسٹم یعنی حضور اقدسؐ کی تعلیمات کا جزو نہیں بنایا جاتا ۔ بدعت نیکی کے نام پر حضور اقدسؐ کے قائم کردہ سسٹم میں اضافہ ہوتی ہے ۔ اعمال صالحہ اور حسنات فاخرہ کی ایک متعین فہرست حضورؐ نے دنیا میں چھوڑی اور اس پر ختم نبوت کی مہر لگا کر اسے ہمیشہ کیلئے مکمل کر کے بند کر دیا ۔ ختم نبوت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اب کوئی نیکی ایسی نہیں رہی، جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کرانا چاہتے ہیں ۔ بس اسی قدر نیکیاں کرو جو ختمِ

نبوت کی مہر لگی فہرست میں شامل ہیں ۔مثلاً اذان ایک نیکی ہے ۔اس کا ایک طریقہ کار بتا دیا گیا اور اس پر مہر لگا دی گئی ۔اب اس کے اول ،آخر وسط میں جو جو اضافے کئے جائیں گے وہ بدعت کے حکم میں داخل ہیں ۔یہ اضافے ہوں گے تو اچھے کلمات پر ،ان پر سنت کی مہر نہ ہوگی اور یہی ان کے مردود ہونے کو کافی دلیل ہے ۔اور اسی لئے حضور اقدسؐ نے فرمایا۔ ہر بدعت گمراہی اور گمراہی فی النار ہوگی ۔عقائد میں یا عبادات میں جو بھی بدعت شامل ہوگی وہ دونوں کو برباد کر دے گی ہے ۔ بدعت عقائد میں داخل ہوگی تو شرک فی الذات ،شرک فی الصفات ،شرک فی الاختیارات اور عبادات میں داخل ہوگی تو شرک فی العبادات کہلائے گی ۔مثلاً شرک اور توحید کی ایک متعین تعریف کر دی گئی ہے ۔اب کوئی بندہ اٹھ کر ایک نئی تعریف کر کے ،اللہ اور رسول اللہؐ کی متعین کردہ تعریف کے مقابلے میں اسے لا کھڑا کرتا ہے تو یہ نئی تعریف بدعت ہوگی جو عقیدۂ توحید کو برباد کر دے گی ۔پس شرک فی العبادات دو گونہ ہے ۔ایک یہ کہ سجدہ ،نذر نیاز ،منت اور پکار میں غیر اللہ کو شامل کر لیا جائے ۔دوسرا یہ کہ عبادات میں نئی نیکیاں داخل کر لی جائیں ،نیکی ایجاد نہیں کی جا سکتی ۔یہ صرف اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کے ذریعے لوگوں کو تعلیم فرماتے ہیں ۔ہم اس کے ثبوت میں دو واقعات پیش کرتے ہیں اور فیصلہ اپنے قارئین کے ضمیر پر چھوڑ کر یہ تحریر ختم کرتے ہیں ۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ سیدنا ابراہیمؑ خانہ کعبہ کی تعمیر کر چکے تو آپ نے دعاؤں کے ساتھ یہ دعا بھی کی ﴿وارنا مناسکنا﴾ ہمیں ہماری نیکیاں یعنی مناسک حج سکھا دے ۔نیکی حضرت ابراہیمؑ نے خود ایجاد نہیں کر لی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ سے مناسک تعلیم فرمانے کی درخواست کی تھی ۔عمومی معنٰے تمام حسنات پر اور خصوصی طور پر حج کی عبادات پر مستعمل ہے ۔یہ واقعہ قرآنی ہے دوسرا واقعہ بھی قرآنی ہے ۔مقام ابراہیم پر نوافل پڑھنا بہت بڑی نیکی ہے ۔سیدنا عمر فاروقؓ چاہتے تھے کہ یہاں نوافل ادا کریں ۔مگر خود ہی نوافل ادا نہ کرنے لگ گئے ۔ رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی تو آپؐ نے جواب میں فرمایا میرے پاس کوئی ایسی اجازت آسمان سے نہیں آئی ۔اس لئے میں تمھیں یہ نوافل مقام ابراہیم پر پڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتا ۔ بعد میں اجازت قرآن میں آ گئی تو حضور اقدس ﷺ نے عمر فاروقؓ کو بلا کر یہ خوش خبری دی تو اللہ نے ان کی آرزو پوری کر دی ۔گویا نوافل ادا کرنا ایک نیک عمل تھا مگر اپنے طور پر نہ صحابیؓ ایسا کر سکا اور نہ نبی ﷺ نے خود یہ اجازت دے دی ۔سو وہ نیکی جو ہم خود ایجاد کر لیں وہ بدعت ہے اور شرک فی العبادات کے برابر ہے ۔